قسط ۲

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ

ہندوستان میں عیسائیت کی یلغار

انگریزوں نے مسلمانوں کی قوت و شوکت کا اندازہ کر کے دو باتوں کو اپنی گرہ میں باندھ لیا تھا:۔

۱۔ کل ہند پیمانے پر تجارتی سرگرمیوں کی وسیع تنظیم و ترتیب ضروری ہے تاکہ برطانوی مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ لیکن اس کے ساتھ خود اس ملک کی تجارتی سرگرمیوں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا ضروری ہے۔

۲۔ اس کا پورا اہتمام کیا جائے اور مظاہرہ بھی کہ انگریزوں کو ہندوستان کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی سے کوئی مطلب نہیں تاکہ اس بہانے پورے ملک میں قدم مضبوط کئے جائیں۔ اسی طرح ساحلی علاقوں کو اپنے تصرف میں کر کے باہر سے ایسے جدید ترین اسلحے درآمد کئے جائیں جو مغل فوجوں کے پاس نہیں۔

ان دو اصولوں پر عمل کر کے انگریزوں نے پورے ملک میں اپنے قدم جما لئے انہوں نے نوابوں، صوبائی اور مرکزی حکام کے درمیان غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر کے اس ملک کے شیرازے کو پراگندہ کر کے رکھ دیا۔

(السابق: تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ۲ ص ۲۴۸)

انگریزوں سے پہلے پرتگالیوں نے تجارتی کمپنیوں کی اوٹ میں دعوتی جدوجہد شروع کی تھی لیکن انہوں نے اس میں بہت غلطیاں کی تھیں۔ انگریزوں نے پرتگالیوں کی دعوتی جدوجہد اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس بات کا بڑا اہتمام کیا کہ اپنی تجارتی کمپنیوں کو صرف تجارتی مقاصد کے فروغ کے لئے مصروف کر دیا اور عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کی سرگرمیوں سے ان کو دور رکھا۔ ظاہری طور پر تو ان دونوں شعبوں کو الگ الگ رکھا لیکن خفیہ طور پر عیسائی مبلغین کی ان تجارتی کمپنیوں نے بھرپور مدد کی۔ اور اسی کے ساتھ ان مبلغین کو ہدایت کی کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے کمپنی کے مفادات کو نقصان پہنچے یا ہندوستانیوں کو دینی حیثیت سے انگریزوں کے خلاف فتنہ و فساد کا موقع فراہم ہو۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک اسی پالیسی پر عمل ہوتا رہا۔ لیکن جوں جوں انگریز کمپنیوں کی طاقت اور اثر و نفوذ میں اضافہ ہوتا گیا انگریزوں کی اس پالیسی میں تبدیلی آتی گئی۔ اور عیسائی مبلغین کو بھی آہستہ آہستہ ڈھیل دی جاتی رہی۔ ڈھیل دینے اور پالیسی میں تبدیلی کی وجہ یہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد پورا ہندوستان انگریزوں کا محکوم ہو گیا۔ اور غلامی میں صرف آزادی ہی سلب نہیں ہوتی بلکہ عقل انسانی بھی اپنی صلاحیتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور مذہب کی پاکیزگی غلامی کے گناہوں سے آلودہ ہو کر اپنا دامن داغدار کر لیتی ہے۔ غلام قوم اپنا وقار کھو چکتی ہے۔ حکمران قوم کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے اور نسیم سحر گاہی کا ہر جھونکا باد سموم بن جاتا ہے۔ اور چمن کا ایک ایک پتا صیاد کا معاون بن کر لالہ و گل کی پتیاں بکھیرنے لگتا ہے۔ اس وجہ سے غلام قوم سے حکمران قوم کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لئے انگریزوں نے اب ایسی پالیسیاں تبدیل کر دیں اور یہ ہدایات جاری کی گئیں کہ اب دعوتی جدوجہد ان علاقوں میں انجام دی جائیں جہاں غیر مسلموں کی

آبادی ہے۔ مسلم آبادی میں تبلیغی کام قطعاً نہ کیا جائے کیونکہ مسلمان حکمران قوم سے انگریزوں نے حکومت چھینی تھی۔ لہذا انگریز کی سیاسی قوت شامہ مسلمان قوم سے باوجود اس کے محکوم ہونے کے مزاحمت کی بو سونگھ رہی تھی۔

انگریز نے اپنی اس پالیسی کے تحت نہایت خاموشی سے پورے ملک کے اندر گرجا گھر، تعلیمی ادارے، ہسپتال اور شفاء خانے بڑی تعداد میں قائم کر دیئے۔ ۱۷۹۲ء، ۱۷۹۵ء اور ۱۷۹۹ء میں مختلف ناموں سے عیسائیت کی تبلیغ کی انجمنیں قائم کی گئیں۔ اسکے بعد ہی یورپ، امریکہ، جرمنی اور دوسرے یورپی ملکوں سے عیسائی مشنریز نے ہندوستان پر یورش کر دی۔ لیکن ان سب کے سامنے یہ اہم سوال تھا کہ کن لوگوں سے کام کا آغاز کیا جائے۔ آیا عام لوگوں میں تبلیغ کی جائے یا روشن خیال، مہذب اور تعلیم یافتہ لوگوں کو عیسائیت کی دعوت دی جائے۔

کئی ماہ تک اس سوال پر غور و خوض ہوتا رہا۔ بہت سے عیسائی دانشور اور مبلغ سر جوڑ کر بیٹھے۔ آخر میں اس بات کا فیصلہ ہوا کہ کم سن بچوں کو خرید کر یا زبردستی اغواء کر کے انہیں عیسائی بنانا زیادہ مفید ہے۔ لیکن لارڈ منٹو کو یہ منصوبہ پسند نہ آیا۔ کمپنی کے عیسائی مبلغین اور برطانوی حکومت لارڈ منٹو کے ان خیالات سے متفق نہ ہو سکی۔ البتہ اس نے عیسائی مبلغین کو متنبہ کر دیا کہ اصل خطرہ کیتھولک مبلغین سے ہے جو کمپنی کے تابع نہیں ہیں۔ اس لئے اس بات کا انتہائی اندیشہ ہے کہ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مبلغین کے درمیان مسابقت کا جذبہ ہندوستانیوں کے دینی جذبے کو ٹھیس پہنچا دے۔ لہٰذا کمپنی کے مبلغین کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ کیتھولک مبلغین کی دعوتی جدوجہد کو حدود میں رکھیں۔ اور پروٹسٹنٹ مبلغین کی ہر طرح مالی اعانت اور سرپرستی کریں۔ چنانچہ اس طریقے سے کیتھولک مبلغین کی سرگرمیاں کم ہو گئیں۔ اور ساتھ ہی یورپ اور امریکہ سے آنے والی مالی امداد بھی کم ہو گئی۔

اب پروٹسٹنٹ مبلغین کے لئے میدان صاف تھا۔ کمپنی کا اپنا عقیدہ بھی چونکہ پروٹسٹنٹ تھا لہٰذا کمپنی نے ان کی کھل کر سرپرستی کی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے درمیان عیسائی دعوت کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔ اسلامی عقائد، شخصیات، تاریخ و تہذیب کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم اور رسول اکرم علیہ الصلواۃ والسلام کی ذات اقدس کو شکوک و شبہات کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ جدوجہد زیادہ دیہی علاقوں کے سادہ دل مسلمانوں میں مرکوز رکھی گئی تا کہ ان کے اسلامی عقائد متزلزل ہو جائیں اور وہ آسانی سے عیسائیوں کے جال میں پھنس جائیں۔ شہری علاقوں میں اس دعوتی جدوجہد کو ابھی خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہاں اس پر اتنا زور نہ دیا گیا۔

شروع شروع میں عیسائی مشنریز کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی زبردست تائید اور حمایت حاصل رہی۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد حکومت نے سرکاری سطح پر یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انگریز حاکم فوجیوں اور سرکاری عہدیداروں کو گاہے گاہے یہ حکم دیتے رہتے تھے کہ عیسائی مشنریز کی تائید و حمایت جاری رکھی جائے۔

لارڈ منٹو کے عہد حکومت میں عیسائی مشنریز کے خلاف فساد میں تیس انگریز مارے گئے۔ اس پر حکومت برطانیہ نے عیسائی مشنریز کی جدوجہد اور سرگرمیوں کو مزید تیز تر کرنے اور ان میں تنظیم پیدا کرنے کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ ہندوستان تبلیغ کے لئے وہی مبلغ جا سکتا ہے جس کے پاس حکومت کا آرڈر ہو۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے ایک بڑے پادری کو متعین بھی کر دیا تا کہ وہ تبلیغی سرگرمیوں میں مشورہ دے سکے۔

اب چونکہ پورے ہندوستان میں انگریزی سیاسی اقتدار تھا اور انگریز ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو مکمل طور پر

ختم کر چکا تھا لٰہذا اس کی دلی خواہش تھی کہ اب سرزمین اندلس کی طرح یہ خطہ بھی عیسائیت کی اکثریت والا علاقہ بن جائے۔ ہندوستان کی سرزمین میں انہیں اندلس سے زیادہ چارم (CHARM) نظر آتے تھے۔ لٰہذا وائسرائے ہند لارڈ کیننگ نے اس بات کا عہد کیا کہ تین سال کے اندر پورے ہندوستان کو عیسائی اکثریت میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ ادھر انگلستان میں ایک برطانوی ممبر پارلیمنٹ نے ۱۸۵۷ء میں اس بات کا اظہار کیا کہ:

"آج سے پورا ہندوستان انگریزوں کے زیرِ نگیں ہے۔ اب پورے ملک پر "مسیح" کا پرچم لہرایا جائے گا۔ اب ہم تمام عیسائیوں کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں"۔

ایک اور رپورٹ میں اس بات کا اشارہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے عیسائی مبلغین بڑے امن و سکون سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی اور حمایت میں وہ یہ کام انجام دے رہے ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دولتہ الاباطرۃ المغول الاسلامیہ ص ۱۶۲، نور الدین داوّد: محنتہ فی الفردوس ص ۱۸۶، عبدالمنعم نمر: تاریخ الاسلام فی الھند ص ۴۰۴ السادانی: تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الھندیہ جلد ۲ ص ۱۷۲، ص ۲۸۱، انور الجندی، العالم الاسلامی والاستعمار، ص ۱۵۳، عبدالعزیز نوار: الشعوب الاسلامیہ ص ۵۴۸، ۵۵۵، عبداللہ حسین! المسألتہ الہندیتہ ص ۲۰۵-۲۰۷ وغیرھم)

صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد مسیحی دنیا نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف انتقام لینے کے لئے جو منصوبہ بندی کی تھی۔

اس کا کرتا دھرتا اسپینی پادری ریمون للی (RAYMON LILLY) تھا جس نے اسپین میں مسلمانوں کو نہ صرف نیست و نابود کیا بلکہ انکے وجود ہی کو تحلیل کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ ریمون للی نے پاپائے روم کے سامنے جو منصوبہ پیش کیا اس میں گرجا گھروں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ تعلیمی اور ثقافتی مراکز کو عیسائی دعوت کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے لئے استعمال کیا جائے۔ اگر تعلیم و تربیت کے تمام وسائل استعمال کرنے کے بعد بھی مسلمان عیسائی نہ بنیں تو بجبر و اکراہ یعنی جس طریقے سے بھی ہو سکے انہیں عیسائی بنایا جائے۔

یہ منصوبہ عیسائی مبلغین کے ذہنوں پر ایک عرصہ تک چھایا رہا۔ بالآخر پادری گریگورس شانزدھم نے ۱۸۳۱ء میں تعلیمی مشنریز کی تشکیل کر کے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ پھر ۱۸۸۱ء میں پادری لیون نے عیسائی مبلغین کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ ہر قسم کی علمی سندیں حاصل کر سکتے ہیں۔ تاکہ مسیحی عقائد کی ترویج و اشاعت کا کام وسیع پیمانہ پر کر سکیں۔ اس کے بعد تجربات سے اس بات پر تمام مبلغین کا تقریباً اتفاق ہو گیا کہ تعلیمی اداروں کے ذریعہ ذہین مسلمان نوجوانوں کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اور شہروں اور دیہاتوں میں نہایت آسانی، آزادی اور بڑے اطمینان کے ساتھ یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بڑے پیمانے پر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کئے گئے۔

۱۹۰۰ء میں سرزمین پاک و ہند میں عیسائی مشنریز کے زیرِ انتظام چلنے والے تعلیمی اداروں کی تعداد ایک ہزار تھی جب کہ ان میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء اور طالبات کی تعداد ۶۵ ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔ آگرہ، اودھ، الہ

آباد، حیدر آباد اور مدراس میں ایسے معیاری تعلیمی ادارے تھے جہاں عیسائی مبلغین کو مسلمانوں کے درمیان دینِ مسیحی کی تبلیغ و اشاعت کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔

عیسائیت کو تعلیمی اداروں کے علاوہ ہسپتالوں کے ذریعہ لانے کی بھی کوشش کی گئی کیونکہ دانشوروں نے اس طریقے کو بڑا مؤثر بتایا۔ اس طریقے سے مریض اور اس کے گھر والوں کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے۔ اس سے قبل فرانسس زیویر بھی اس طریقے کے مؤثر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر چکا تھا۔ چنانچہ اب حکومت برطانیہ نے ان تعلیمی اداروں کے پہلو بہ پہلو عیسائی مشنریز کے زیر انتظام ہسپتال اور شفاء خانے بھی قائم کئے۔ ان سب کا مجموعی بجٹ بیس لاکھ ڈالر سالانہ تھا۔ ان مسیحی ہسپتالوں میں کام کرنے والی نرسوں کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ سال میں کم از کم چھ ہزار خاندانوں سے ذاتی روابط پیدا کریں۔ خصوصی طور پر خواتین کو مختلف عیسائی تقریبات میں مدعو کرکے ان کے ذہنوں کو عیسائیت کے لئے ہموار کریں۔ سالانہ تیس ہزار خواتین کے مفت علاج کی سہولت بھی اا ہسپتالوں میں مہیا کی گئی تھی۔

انگریزی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور نئے نصابِ تعلیم کے نافذ ہونے کے بعد انگریزی حکومت کو ایسے افراد ملنے شروع ہو گئے جو ذہن و فکر اور ذوق و مزاج کے اعتبار سے نیم انگریز تھے۔ جو دین اور اخلاقی قدروں کا مذاق اڑانے کو فیشن سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کے ذریعہ اسلامی عقائد اور اسلامی تاریخ و تہذیب کو بے اعتبار ثابت کرنے کی ایک خاص مہم چلائی گئی تاکہ اسلامی عقائد کی عمارت میں دراڑیں بھی پڑ جائیں اور ہم پر کوئی حرف بھی نہ آئے۔ چنانچہ یہ مہم بڑی کامیاب رہی۔ ایک پادری نے ایک خط میں لکھا ہے:

"ہم ہندوستان اس لئے نہیں آئے کہ یہاں کے باشندوں کے ساتھ کوئی بھلائی کریں بلکہ ہم نے ان پر ایسا تعلیمی نظام مسلط کر دیا ہے جو رفتہ رفتہ ان کی دینی اور اخلاقی قدروں کو ختم کر کے زوال کے آخری درجہ تک انہیں پہنچا دے گا"۔

یہ تعلیمی ادارے اور مشنری اسکول حکومت نے اس لئے کھولے تھے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسا نظامِ تعلیم ٹھونس دیا جائے جس کو پڑھ کر لوگ دیکھنے میں تو مسلمان نظر آئیں لیکن ذہنی طور پر وہ انگریز ہوں۔ ان کو چلانے کے لئے انگریزی حکومت نے اپنی جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا تھا بلکہ مسلمانوں کے مدارس اور مساجد کے اوقاف کو بحقِ سرکار ضبط کر کے ان کی ساری آمدنی بلکہ ان اوقاف کی عمارتوں کو بھی عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے وقف کر دیا۔ گویا ہمارے ہی جوتے اور ہمارا ہی سر۔ علاوہ ازیں جو مسلمان امراء اور نواب اسلامی مدارس کی امداد و اعانت کرتے ان کو سخت دھمکیاں دی جاتیں۔ بسا اوقات معمولی غلطیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو بند کر دیا جاتا۔ اس طرح بڑی تعداد میں مسلمان اپنے تعلیمی مراکز سے محروم ہو گئے۔ یہ بھی ایک طریقہ تھا مسلمانوں کو اسلامی تعلیم سے دور رکھنے اور انگریزی تعلیم سے نزدیک لانے کا۔ پھر اس سے انگریزوں کو یہ فائدہ بھی ہوا کہ اسلامی تعلیمی مراکز بند کرنے یا بند ہونے سے نہ صرف موجودہ نسل اسلامی تعلیم سے محروم ہو گئی بلکہ مستقبل کی مسلمان نسلیں بھی اسلامی تعلیم سے یک قلم دور چلی گئیں۔

یہ وقت مسلمانوں کے لئے بہت نازک تھا کیونکہ حکومت تو چھینی جا چکی تھی اب دین بھی چھینا جا رہا تھا۔ چنانچہ

مولانا الطاف حسین حالی نے اس وقت کی نزاکت کو یوں بیان کیا ہے کہ:

''ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھر لو ملجاتا تھا۔ مگر وہ اس پر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا۔ اس لئے کہ ان کے منادیوں میں، ان کے اخباروں میں اور ان کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے۔ بانیٔ اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ بہت سے مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے۔ اس خطرہ سے بلاشبہ علمائے اسلام جیسے مولانا آل حسن، مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خان وغیرہ متنبہ ہوئے۔ انہوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلہ میں لکھیں اور ان سے بالمشافہ مناظرے کئے جس سے یقیناً مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ ردِ نصاریٰ میں تالیف و تصنیف اور پادریوں سے مقابلہ و مناظرہ کا سلسلہ ایک جماعتی نہ سہی لیکن انتظامی شکل میں شروع ہو گیا تھا۔ قدرتی طور پر ہر جگہ مسجدیں تھیں۔ علمائے کرام کے وہ گڑھ تھے۔ اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دشواری پیدا نہیں ہوئی۔ راہ نما کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے بہتر کون ثابت ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لئے دہلی، آگرہ کو مرکز قرار دیا۔ یہاں بھی مولانا نے تصیف و تالیف کا کام کیا۔ ان کی جماعت میں ہندوستان کے انتہا پسند اور حضرت مولانا اسماعیل شہید کے فدائی مسلمان تھے۔ جن کی تعداد کافی تھی''۔

(حیاتِ جاوید)

اسی طرح حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی اس زمانہ کے حالات کا ایک نقشہ حیاتِ شبلی کے دیباچہ میں پیش کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر کئی طرف سے فتنوں کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ سید صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''انگریزوں کے برسر عروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ روئیں پر حملے شروع کر دیئے۔ دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق مسلمان حکمرانوں سے نجات پا کر ان پر حملہ کی جرأت پائی اور سب سے آخر میں یورپین علوم و فنون اور تمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔ خدا نے عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خان صاحب (آگرہ) اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولانا رحم علی منگلوری، مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی، مولانا سید محمد علی مونگیری وغیرہ اشخاص پیدا کئے جنھوں نے عیسائیوں کے تمام اعتراضات کے پرزے اڑا دیئے۔ خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا وجود توردِ عیسائیت کے باب میں تائید غیبی سے کم نہیں۔ اور کون باور کر سکتا ہے کہ اس وقت میں پادری فنڈر کے مقابلہ کے لئے ڈاکٹر وزیر خان جیسا آدمی پیدا ہو گا جو عیسائیوں کے تمام اسرار کا واقف اور ان کی مذہبی تصنیفات کا ماہر کامل اور عبرانی و یونانی کا ایسا واقف ہو گا جو عیسائیوں کو خود انہی کی تصنیفات سے ملزم ٹھہرائے گا اور مولانا

ت اللہ صاحب کے ساتھ مل کر اسلام کی حفاظت کا ناقابلِ شکست قلعہ دم کے دم میں کھڑا کر دے گا"۔ (دیباچہ ات شبلی)

ان دونوں اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے نازک موقع پر علمائے اسلام نے مسلمانوں کو ان فتنوں سے بچانے کی پوری پوری کوشش کی۔ خصوصی طور پر حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے عیسائیت کے مقابلہ میں اپنا تن، من اور دھن سب کچھ تج دیا۔ جلاوطن ہوئے۔ جائیداد بحق سرکار انگریزی ضبط کروائی لیکن عیسائیت کا مقابلہ اس سختی کے ساتھ کیا کہ آج تک عیسائی پادری ان کے دلائل و براہین سے منقار زیر پر ہیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا زمانہ جنگ آزادی کے قریب کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں انگریزی حکومت ہر وہ پالیسی اختیار کر رہی تھی یا کئے ہوئے تھی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں انگریز اپنی سیاسی بالادستی کے ساتھ ساتھ اپنا فکری اور تہذیبی اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے بہت سے حربے استعمال کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک حربہ یہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی اور دینی زبانوں کو ختم کر دیا جائے اور ان کی جگہ انگریزی زبان کو رواج دیا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر انگریزوں نے ملک میں بہت سے اسکول اور کالج قائم کئے۔ کیونکہ سیاسی دباؤ کو مستحکم کرنے کے ساتھ مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت میں اس سے بڑے فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔

کسی قوم کی زبان اس کے افکار، فلسفۂ حیات اور تاریخی و ثقافتی اقدار کا آئینہ ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ اس کی روایات، نفسیات اور اجتماعی خصوصیات کا عکس اور نقش دیکھا جاسکتا ہے۔ کسی قوم کا تعلق اپنے ماضی اور علمی فکری اور دینی سرمایہ سے منقطع کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہو سکتی ہے کہ زبان کو یا صرف اس کے رسم الخط کو تبدیل کر دیا جائے۔ ماضی قریب میں آپ کو ایشیا میں ایسی مثالیں مل جائیں گی جو اس دعویٰ کی صداقت کی شاہد عدل ہیں بلکہ ترکی کی بیّن مثال ہمارے سامنے ہے۔

فرانسیسی پادری A LE CHATLIER نے اپنی کتاب DUE MONDE MUSULMAN LA CONQUETE میں اس زمانہ کی مشنری سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس حکمت عملی سے مشنریاں اس وقت عالمِ اسلام میں سرگرم عمل تھیں۔ یہ کتاب فرانس سے شائع ہونے والے مجلہ LE REEREE DUE MONDE MUSULMAN کا ایک خاص نمبر ہے۔ یہ ایک مشنری پرچہ تھا اور اس کا مقصد اسلامی ممالک میں پروٹسٹنٹ مشنری کی سرگرمیوں کو منظر عام پر لانے اور کیتھولک شنری کی غیرت کو بھڑکانے اور ان کے خوابیدہ عزائم کو بیدار کرنے کے لئے ۵۰ سال قبل یہ پرچہ نکلتا تھا۔ شاتلیہ امی شخص اس وقت اس کا مدیر تھا۔ اس شمارہ میں شامل طویل مقدمہ اسی کے قلم سے ہے۔ مصر کے مساعد الیافی اور یسخ محب الدین الخطیب نے اس کا عربی ترجمہ کر کے اپنے مجلہ "المؤید" میں شائع کیا تھا جو بعد میں ۱۳۰۵ھ "الغارة ملی العالم الاسلامی" کے نام سے کتابی شکل میں منظرِ عام پر آیا تھا۔ (محمد قطب: ھل نحن المسلمون ص ۱۴۵)

عیسائی مشنریز کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں ان اہم مشنری کانفرنسوں کی تجاویز ور قرار دادوں کی تفصیلات بھی درج ہیں جو ۱۹۰۶ میں قاہرہ میں، ۱۹۱۰ء میں ایڈنبرا اور ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے شہر لکھنؤ میں منعقد کی گئی تھیں۔ یہ کتاب نہایت معلومات افزا ہے۔ اور اس کو پڑھنے سے مشنریوں کی عجیب و غریب سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔

اس کے مقدمہ میں شاتلیہ ایک جگہ پر لکھتا ہے کہ:

"اس بات میں ذرا برابر شک نہیں کہ صرف پروٹسٹنٹ اور کیتھولک مشنریز کی سرگرمیوں سے اگر ہم چاہیں کہ اہل اسلام کے دل اسلامی عقائد سے خالی ہو جائیں تو یہ بات محالات میں سے ہے۔ اس کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ یورپی افکار پھیلائے جائیں۔ انگریزی، جرمن، ولندیزی اور فرانسیسی زبانوں کے پھیلانے سے اسلام یورپ کے پرچوں میں کسی طرح جگہ پاسکتا ہے اور ایک مادی اسلام کے لئے راہ ہموار ہو گی۔ اسی طرح مشنریاں اسلامی دینی عقائد وافکار کو ناپید کرنے میں مصروف عمل رہیں گی۔ جن کی وجود و نمود کی بقاء اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ دنیا سے کٹ کر ہی رہیں۔"

ایک اور موقع پر شاتلیہ لکھتا ہے کہ:

"عیسائی مشنریوں کی جدوجہد کا پہلا ثمرہ یہ ہے کہ نوجوان مردوں اور عورتوں کی اگرچہ ایک تھوڑی سی تعدا عیسائی بن سکی ہے لیکن دوسرا اہم ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے کہ ہر طبقہ کے مسلمان بتدریج مسیحی افکار اخذ کرنے کے عادی بنتے جا رہے ہیں"۔

پھر اسی صفحہ پر شاتلیہ لکھتا ہے کہ:

"عیسائی مشنریاں اگر یہ دیکھیں کہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی جدوجہد کے نتائج سست ہیں تو اس سے ان کو مایوس نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ اب ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں یورپ کے علوم و فنون اور آزادیٔ نسواں کی طرف شدید میلان بڑھتا جا رہا ہے"۔ (۱)

(الغارۃ علی العالم الاسلامی صفحہ ۴۸)

یہ وہ مسیحی لائحہ عمل تھا جو عیسائی مشنریز نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے تیار کیا تھا جس کا خلاصہ ہم نے یہاں شاتلیہ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے شہر لکھنؤ میں مشنریوں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ شاتلیہ نے اس کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ:

"اسلامی حکومتوں کے زیر اقتدار رہنے والے مسلمانوں کی تعداد اب ۳۷۱۲۸۸۰۰ سے زیادہ نہیں ہے۔ خود مسلمانوں کی اکثریت کے ذریعہ ہی سیاسی اقتدار اسلامی خلافت سے منتقل ہو کر انگلینڈ، فرانس، روس اور ہالینڈ کے

حاشیہ (۱)

اسلامی اقدار اور شریعت اسلامیہ کے ارکان سے اپنے آپ کو بری قرار دینا اور ان پر عمل نہ کرنا یہ بھی گویا عیسائیت کی طرف ایک میلان ہے اور مشنریز یہی چاہتے تھے۔ اور چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسیحیت کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا تو نہ ہو اس کی احکام اسلام سے آزادی بھی انکے مشن کی ایک بہت بڑی کامیابی ہے۔ مرے کالج سیالکوٹ کے پرنسپل مسٹر جان گیرٹ سے ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کو یہاں اتنا عرصہ ہو گیا لیکن میرے علم کے مطابق آپ نے ابھی تک کسی مسلمان کو عیسائی نہیں بنایا؟ پادری جان گیرٹ نے جواب دیا اگر میں کسی مسلمان کو عیسائی نہیں بنا سکا لیکن جو مسلمان میرے زیر اثر تھے میں نے انہیں مسلمان بھی نہیں رہنے دیا اور اسلامی اقدار سے انہیں دور کر دیا ہے۔

ہاتھوں میں چلا گیا۔ مسلمانو کی جو تعداد ان ممالک کے زیر اقتدار زندگی بسر کر رہی ہے وہ خلاف اسلامیہ کے تحت رہنے والے لوگوں سے زیادہ ہے۔ پھر مسلمانوں کی جو تعداد مسیحی ممالک کے زیرِ اقتدار زندگی بسر کر رہی ہے اس میں مستقبل قریب میں آنے والے انقلابات سے ضرور اضافہ ہو گا۔ اس طرح اسلامی ممالک میں مشنری مہم کو سرگرم رکھنے کے سلسلے میں عیسائی حکمرانوں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے"۔ (الغارۃ علی للعالم الاسلامی ص ۹۴)

قاہرہ اور لکھنؤ میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں جو قرار دادیں اور تجاویز منظور کی گئی تھیں۔ ان کے سلسلہ میں شاتلیہ لکھتا ہے کہ:

"اِن تمام واقعات سے (یعنی عالم اسلام میں نشاۃ ثانیہ کے آثار سے) کلیسا کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ عزم صمیم اور ثابت قدمی کے ساتھ سرگرم عمل رہے اور مشنری معاملہ کا زیادہ اہتمام کرے۔ اس کی روشنی میں لکھنؤ کانفرنس کے پروگرام میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:۔

۱۔ حالات حاضرہ کا مطالعہ۔
۲۔ مشنری تعلیم اور تعلیم نسواں کے دائرہ کی توسیع
۳۔ ضروری حد تک طاقت کے استعمال کی تیاریاں اور اس کے معیار کو بلند کرنے کی تدابیر۔

(الغارۃ علی العالم الاسلامی ص ۸۸-۸۹)

یہ اقتباسات اس بات کے اندازے کے لئے کافی ہیں کہ انگریزوں کی لسانی اور تعلیمی پالیسی کے پیچھے کون کون سے عوامل کار فرما تھے اور وہ اصلاً کس شے کے حصول کی کوشش کر رہے تھے۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بتایا گیا ہے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل انگریزوں کی پالیسی اور تھی اور جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد اس سے مختلف تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے اظہار الحق کے پہلے صفحہ پر ہی لکھا ہے کہ:

"انگریزوں نے جب ہندوستان پر مکمل قبضہ کر لیا اور صحیح طریقہ سے امن و امان بحال ہو گیا تو اپنی حکومت کے آغاز سے ۴۳ سال تک ان کے علماء نے عیسائی مذہب کی دعوت کی طرف اس قدر دھیان نہ دیا لیکن اس کے بعد انہوں نے بڑے زور شور سے دعوت کا کام شروع کیا۔ پھر اس کی درجہ بندی کی یہاں تک کہ بے شمار رسائل اور کتابیں مسلمانوں کے رد میں شائع کر کے مختلف شہروں کے عوام میں تقسیم کیں"۔

اہلِ اسلام کے رد میں رسالے اور کتابیں لکھ کر تقسیم کرنے کے علاوہ حکومت کی بنیادوں پر عیسائیت کے فروغ کے لئے جو کام کیا وہ زود اثر بھی تھا اور دیرپا بھی اور اس سے نتائج بھی بڑے دور رس تھے۔ عیسائیت کی نشر و اشاعت اور مسلمانوں کو دینِ اسلام سے دور رکھنے کے لئے جو اقدامات کئے گئے وہ حسب ذیل تھے:۔

۱۔ انگریزی زبان کی ترویج:

انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا اس وقت سرزمین پاک و ہند میں اردو اور فارسی اسلامی زبانیں تھیں۔ اور علماء، مفکرین اور دانشور حضرات کا ذریعۂ اظہار تھیں۔ اس زمانہ کے تمام علوم و فنون کی تدوین ان ہی دو زبانوں میں ہوئی تھی۔ عہدِ مغلیہ میں اور اس وقت بھی جب خاندانِ مغلیہ کی حکومت چراغ سحری کی طرح دمِ آخرین تھی۔

ملک کی سرکاری زبان ہونے کا شرف فارسی کو حاصل تھا۔ اور اردو اگرچہ اپنے ابتدائی ادوار میں تھی۔ لیکن عوام میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ پھر دین کے علوم کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بھی اس زبان میں تھا۔ اس عہد کے علماء اور مفکرین اسلام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے اور بغاوتوں کا سلسلہ جاری کرنے کے لئے ان ہی دو زبانوں کو تقریر و تحریر کا ذریعہ بنایا تھا۔

ان دونوں زبانوں کے علاوہ وہ اس زمانہ میں ایک اور زبان کا بھی کافی چلن تھا اور وہ عربی زبان تھی۔ یہ زبان چونکہ قرآن و حدیث کی زبان ہے۔ لہٰذا غیر مسلم ہندوستانیوں کے درمیان اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں اس کا کردار معاون رہا ہے۔ عیسائیت کی تبلیغ میں اس سے رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کو قرآن و حدیث سے الگ کرنے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ہندوستان میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے مسلمانوں کی بھی تھی جن کی تقریر و تحریر کا ذریعہ عربی زبان تھی۔

(انور الجندی: العالم الاسلامی والاستعمار ص ۳۵۹، ص ۳۶۳، ساداتی! تاریخ المسلمین فی شبہ القارۃ الہندیۃ جلد ۱ ص ۲۵، جلد ۲ ص ۲۲۴، ۲۲۵، ابوالحسن علی الندوی: المسلمون فی الہند ص-----)

علماء اور اہلِ علم حضرات اردو اور فارسی کے علاوہ عربی زبان کو بھی اپنا ذریعۂ اظہار بناتے تھے۔ بڑے بڑے علماء نے عربی زبان میں بڑی کارآمد کتابیں لکھیں جن سے نہ صرف اس زمانہ کے لوگ مستفید ہوئے بلکہ آج تک لوگ ان سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

کسی قوم کے افکار اور تہذیب و تمدن کی نشو و نما میں اس کی زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ زبان ایک قوم کے جذبات اور افکار کا آئینہ ہوتی ہے۔ چنانچہ جن ماہرینِ تعلیم کو اندازہ تھا کہ مشرقی اقوام میں یورپی افکار اور تمدن کی اشاعت میں خود یورپی زبان بڑا اہم کردار ادا کر سکتی ہے انہوں نے انگریزوں کو مشورہ دیا کہ ان اسلامی زبانوں کو ختم کرنے کی مہم چلائی جائے۔ اور انگریزی زبان کو اس کا قائم مقام بنا دیا جائے۔

پناہ

اس سیاست سے خدایا دے پناہ
اور اس جمہوریت سے ہم کو دے پناہ
آج بے اصل و گہر ہیں بالادست
ایسی چیرہ دستی؟ دے پناہ
یہ اصولوں کی تباہی الاماں
اور فطرت سے بغاوت، دے پناہ
سازشی عُنصر ہمیشہ کامراں
ہے یہ جمہوریت بھی سازش، دے پناہ
ایسی جمہوریت پہ لعنت بے شمار
جس میں نہ ہو دیں کا شکوہ، دے پناہ

قمرالحسینی